Fikr-o-Nasar (Islamabad) 13:11 (1976)

اسلامی تحقیق، کرنے کے کام

محمود احمد غازی

اسلامی تحقیق سے کیا مراد ہے؟ اس کا مقصد و منہاج کیا ہونا چاہیئے؟ اور کیا فی الواقع اس کی ضرورت ہے؟ یہ سوالات یوں تو آج کی ساری اسلامی دنیا کے لئے اہمیت رکھتے ہیں، لیکن ادارہ تحقیقات اسلامی کے متعلقین اور ادارہ کے کام سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے ان کی اہمیت سب سے بڑھ کر ہے۔ اسلامی تحقیق سے لوگ عموماً دو طرح کے مفہوم مراد لیتے ہیں۔ کچھ اصحاب کے نزدیک اسلامی تحقیق سے مراد محض اس قدر ہے کہ تصنیف و تالیف کا کام ہوتا رہے اور کچھ لوگ کتابیں لکھ لکھ کر چھاپتے رہیں۔ کچھ اور حضرات "اسلامی تحقیق" اور "اسلام میں تحقیق" کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھتے، ادارہ کے ارکان کو اکثر و بیشتر لوگوں کے اس اعتراض کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ اچھا! اب چودہ سو برس بعد آپ اسلام میں تحقیق فرمانے چلے ہیں۔ اور یہ کہ صاحب! اسلام تو مکمل اور واضح نظامِ فکر و عمل ہے، اس میں کسی تحقیق کی کیا ضرورت ہے؟۔ یہ سوال یا شبہ دراصل اسی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ لوگ "اسلامی تحقیق" کو "اسلام میں تحقیق" کے ہم معنی سمجھ لیتے ہیں۔

"اسلامی تحقیق" ایک مرکب توصیفی ہے جس سے مراد وہ علمی تحقیق اور فکری کاوش ہے جو اسلامی ہو، اسلام کی روشنی میں کی جائے، اسلامی تعلیمات کے مطابق کی جائے اور ایک اسلامی ریاست اور ایک اسلامی معاشرہ کی فکری، ثقافتی اور اجتماعی ضروریات کو مدِ نظر رکھ کر کی جائے۔

علمی تحقیق اور فکری کاوش نہ کوئی وقتی چیز ہے اور نہ محض کچھ سر پھرے لوگوں کی ذہنی تفریح کا مشغلہ ہے۔ یہ کسی قوم کے لئے زندگی اور موت کا سوال ہے۔ دنیا میں وہی قومیں آگے بڑھتی ہیں جو علمی میدان میں دوسروں سے آگے ہوں، جن کو اوروں پر فکری برتری حاصل ہو، جو کائنات [illegible] اس نظام قدرت کو دنیا والوں سے بہتر طور پر سمجھتی ہوں۔ دنیا کی زندہ اقوام ہیں، ایسے [illegible]

کی ایک قابلِ ذکر اور مؤثر تعداد ہمیشہ موجود رہتی ہے جو علمی اور فکری اعتبار سے کائنات میں کام کرنے والی قوتوں کو سمجھتے ہوں، جن کی انگلیاں ہر وقت تاریخ کی نبض پر رہتی ہوں۔ مشہور انگریز مفکر ھکسلے نے لکھا ہے کہ کسی معاشرہ کی فلاح و بہبود کے لئے ازحد ضروری ہے کہ کم از کم اس میں سوچنے اور فکر کرنے والوں کی ایک تعداد ضرور موجود رہے۔

پھر علمی تحقیق کا یہ کام ان اقوام کے لئے خصوصی اہمیت کا حامل ہے جو اپنا مخصوص نظامِ حیات اور اپنا جداگانہ نظریۂ فکر و عمل رکھتی ہیں۔ ان قوموں کے لئے ضروری ہے کہ تمام علوم کو اس طرح مرتب کریں کہ وہ ان کے مخصوص نظامِ حیات اور نظریۂ فکر و عمل کا نہ صرف ساتھ دے سکیں بلکہ اس کی خدمت کریں اور اس کو ترقی دے سکیں، اس کے قیام میں ممد و معاون ہوں اور اس کی بقاء کی ضمانت دے سکیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام علوم چاہے وہ علوم اجتماعی ہوں یا علوم انسانی، علوم طبیعی ہوں یا علوم مابعد الطبعی وہ سب کے سب کچھ نظریات اور معلومات کے ایک مجموعہ پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ان علوم کے ماہرین ان نظریات و معلومات کو اپنے اپنے خیالات، اپنے اپنے مزاج اور اپنے اپنے اجتماعی ماحول کے مطابق مرتب کر لیتے ہیں اور ان سے وہی نتائج اخذ کرتے ہیں جو ان کے انداز فکر کے مطابق ہوں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انہی علوم عمرانی و طبیعی سے کام لے کر مختلف قوموں نے مختلف تہذیبیں قائم کیں، مختلف نظام ہائے فکر و عمل مرتب کئے۔

اب جو قوم اس علمی اور فکری معرکہ میں دوسروں پر بازی لے جائے گی دنیا کی سروری کا جھنڈا اسی کے ہاتھ میں ہوگا۔ کائنات کے بارے میں اسی کا پیش کردہ نقطۂ نظر دنیا میں مانا جائے گا، لوگ اس کے مرتب کردہ نظام فکر و عمل کو قبول کریں گے اور اس کے نتیجہ میں جو تہذیب و تمدن قائم ہوگا اسی کی دنیا میں پیروی کی جائے گی۔ دنیا میں جتنے علوم و فنون پیدا ہوں گے وہ اسی رنگ میں رنگے ہوں گے۔ ان میں وہی روح رچی بسی ہوگی۔ مثال کے طور پر آج کل کے مغربی علوم و فنون کو لیجئے۔ اس وقت مغربی تہذیب و تمدن کے پیدا کردہ جو علوم دنیا میں رائج ہیں وہ تمام تر مغرب کے مخصوص فکری سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں، مغرب کا استعماری رنگ ان میں مکمل طور پر رچا بسا ہوا ہے۔ علوم طبیعی اور علوم حسی تو خیر خدا بیزار اور وحی و الہام کی راہنمائی سے برگشتہ ہیں ہی، علوم عمرانی و اجتماعی بھی اس معاملہ میں پیچھے نہیں۔ مغرب کے علوم طبیعی جس مفروضہ

کی بنیاد پر مرتب ہو رہے ہیں وہ یہ ہے کہ علم دراصل وہی ہے جس کو ہم اپنے حواس سے معلوم کر سکیں، ہر وہ چیز جو غیر محسوس ہے وہ غیر موجود بھی ہے تاوقتیکہ اس کا وجود ہونا ہمارے حواس خمسہ میں سے کسی ایک کی گرفت میں آجائے۔ اس مفروضہ کو اگر ہم ایک لمحہ کے لئے بھی صحیح تسلیم کر لیں تو بتایئے کہ وحی والہام سے لے کر توحید و معاد تک کون سا عقیدہ ہے جس پر ضرب نہیں پڑتی۔

یہی حال آج کل کے علومِ اجتماعی کا بھی ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنی ایک مخصوص روح اور مخصوص مزاج رکھتا ہے۔ اس روح اور اس مزاج کی تشکیل میں بہت سے عوامل نے حصہ لیا ہے۔ تاریخی روایات، مخصوص مذہبی پس منظر، تہذیبی اقدار، ثقافتی ماحول، یہ سب مل کر علوم و فنون کی تشکیل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

مختلف زبانوں اور ان کی ادبیات کی کیفیت بھی دوسرے علوم سے مختلف نہیں ہوتی۔ جس طرح کسی قوم کے خیالات، اس کے مذہب، اس کی تہذیب اور اس کی ثقافت کا اس کے اجتماعی علوم میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے اسی طرح یہ سب چیزیں اس کی زبان و ادبیات میں بھی رچی بسی ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر انگریزی زبان کو لیجئے۔ اس زبان کے الفاظ، جملے، تراکیب، محاورے اور استعارات ہر چیز میں انگریز قوم کا اپنا مزاج جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔ مادہ پرستی اور ڈپلومیسی جس طرح انگریز قوم کا خاصہ ہے اسی طرح انگریزی زبان بھی ان خصائص سے معرّا نہیں۔ مشرقی زبانوں میں ہندی اور سنسکرت کی مثال لے لیجئے۔ ان دونوں زبانوں میں ہندوؤں کے اساطیری خیالات اور ہندو علم الاصنام اس طرح رچ بس گئے ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے الگ کرنا تقریباً ناممکن ہے، ان زبانوں کی پرورش ہی ہندو اساطیر کی غذا سے ہوئی ہے۔

لیکن اس کے برعکس مسلمانوں کے پیدا کردہ علوم کو دیکھئے۔ ان سب میں اسلامی تہذیب و تمدن کا اپنا مزاج نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ اجتماعی اور فکری علوم کی تو خیر بنیاد ہی قرآن و سنت کی تعلیمات پر رکھی گئی، خالص دنیوی اور تجرباتی علوم میں بھی اسلام کی اپنی روح موقعہ بہ موقعہ جلوہ گر رہتی ہے۔ مسلمانوں کی مرتب کردہ کوئی بھی سائنس کی کتاب لے لیجئے۔ وہ خطبۂ مسنونہ اور درود و سلام کے بعد اللہ کی ان صفات کے ذکر سے شروع ہوگی جن میں اس کی قدرت، شانِ ربوبیت، رزاقیت اور اسی طرح کی متعلقہ صفات بیان کی گئی ہوں۔ پھر قرآن مجید کی وہ آیات ہوں گی جہاں مختلف مظاہرِ قدرت پر غور و فکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر ہر مرحلہ پر یہ اسلامیت

فاری کی راہنمائی کرتی نظر آئے گی۔

آج اگر مسلمان مغرب کی تہذیبی اور سیاسی برتری سے نجات حاصل کرنی چاہتے ہیں تو اس کے لئے جو کام بنیادی اہمیت رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ بیسویں صدی کے ماحول میں اسلامی تہذیب و تمدن کا احیاء کریں۔ اپنے تمام علوم و فنون، اپنے ادبیات، اپنے آرٹس اور سب چیزوں کی اسلامی بنیادوں پر تشکیلِ جدید کریں۔ اور سب سے پہلے اس اصول کا انکار کریں کہ جو مغرب سے جتنا قریب ہے اتنا ہی کامل ہے اور جتنا دور رہے اتنا ہی ناقص ہے، یا علامہ اقبال کے الفاظ میں کافر افرنگ اور مومن خود رہوں۔ مغرب کے علمی، فکری اور تہذیبی استیلاء سے اسلامی فکر و دانش کے جو چشمے خشک ہو گئے ہیں ان کو از سرِ نو جاری کیا جائے، اسلامی علوم و فنون کو دوبارہ متحرک اور فعّال بنایا جائے۔

اس کام کی اہمیت نہ فرضی ہے نہ محض وہمی۔ اس وقت بھی عالم اسلام کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ جدید علوم و فنون اور جدید تہذیب کے بارے میں کوئی واضح، متفق علیہ اور اسلامی تعلیمات کے مطابق نقطۂ نظر قائم کیا جانا اس وقت اولین اہمیت رکھتا ہے۔ یہ کام ایک وسیع اور ہمہ گیر علمی اور فکری تحریک کا متقاضی ہے اور اسلامی تحقیق اسی علمی و فکری تحریک کا ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

اسلامی تحقیق کے کام کو تین بڑے بڑے شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ پہلی قسم وہ ہے جس کو ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم نے میکانکی اسلامی تحقیق کا نام دیا ہے۔ یعنی وہ کام جو مقصود بالذات نہ ہو لیکن تحقیق و تفکیر میں مدد دے سکے۔ مثلاً قوامیس کی ترتیب، فہرستوں کی تیاری، قدیم مخطوطات کی نشر و اشاعت، وغیرہ۔

۲۔ دوسری قسم کو ہم تطہیر فکر کا نام دے سکتے ہیں۔ رائج الوقت علوم و فنون کا اسلامی نقطۂ نظر سے تنقیدی جائزہ لے کر کھرا اور کھوٹا الگ کر دینا اس میں شامل ہے۔ لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم سب سے پہلے مغرب کی فکری امامت کے وہم و طلسم کو پاش پاش کر دیں، انہوں نے جو نظام فکر و عمل مرتب کیا ہے اس کا باطل اور بہ سر غلط ہونا دلائل و براہین سے ثابت کر دیں۔ یہ کام عالم اسلام کی فکری آزادی اور ثقافتی بقاء کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے۔ عالم اسلام کو سیاسی آزادی حاصل کئے چوتھائی صدی کے قریب گزر چکا، لیکن فکری طور پر مسلمان آج پہلے سے زیادہ غلام

ہیں۔ اس وقت مغرب اور معصومیت ہمارے نزدیک دو مترادف الفاظ ہو کر رہ گئے ہیں۔ مغرب سے نسبت حق و انصاف کا کافی معیار ہے، کسی چیز کی صداقت اور حقانیت کو پرکھنے اور جانچنے کے لئے آج اس کا مغرب کے رائج الوقت تصورات کے مطابق ہونا کافی سمجھا جاتا ہے۔

اس اندازِ فکر کو تبدیل کرنا اور مغرب کی عصمت سے انکار کرنا ہی اس راہ میں پہلا قدم ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی کے الفاظ میں ہمیں مغربی علوم کو خام مال RAW MATIRIAL سمجھنا چاہیئے اور وہی سلوک کرنا چاہیئے جو ہر خام مال کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ نہ تو ہم اس کو جوں کا توں اپنے کام میں لا سکتے ہیں اور نہ محض ناکارہ قرار دے کر پھینک سکتے ہیں۔ ہمیں اپنی اقدار کی روشنی میں ان کو پرکھنا چاہیئے۔ جو چیزیں حقائق ثابتہ کا درجہ رکھتی ہوں ان کو ہم قبول کر لیں۔ جو چیزیں حقائق ثابتہ نہ ہوں اور ہماری اقدار سے معارض ہوں ان کو ہم رد کر دیں اور باقی ماندہ کی اصلاح کر کے ان سارے علوم کو اپنے مقاصد کے لئے تیار کریں۔

اس ضمن میں سب سے پہلے جن علوم دنظامات فکری کی تطہیر کرنی ہے ان میں فلسفہ اور اس کی ساری شاخیں، علم سیاسیات، قانون و دستور، نفسیات، معاشیات، عمرانیات، انسانیات وغیرہ شامل ہیں۔ اس معاملہ میں ہم کو بلا جھجک کمیونسٹ ممالک کے تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ انہوں نے گزشتہ نصف صدی میں سارے علوم و فنون کی تدوین جدید کر کے ان کو مکمل طور پر کمیونسٹ فلسفہ اور پرولتاری نظام فکر سے ہم آہنگ کر لیا ہے۔ کمیونسٹ انقلاب سے قبل کے سارے علوم کو انہوں نے بورژوا قرار دے کر مسترد کر دیا اور اپنے مقاصد کے لئے ناکارہ ٹھہرایا۔ حتیٰ کہ انہوں نے سائنس جیسے خالص مادی علم کی بھی دو قسمیں قرار دیں، ایک بورژوا سائنس قرار پائی ایک کمیونسٹ سائنس۔ انہوں نے دنیا بھر کی تاریخ تک بدل ڈالی کمیونسٹ علمائے تاریخ نے دنیا بھر کی تاریخ کی مادی تعبیر کر کے اس کو از سر نو مرتب کر کے رکھ دیا۔ اس طرح کمیونسٹ اصولوں پر معاشیات، سیاسیات، قانون، فلسفہ غرضکہ ہر علم و فن کی ترتیب نو کر دی۔ پھر آخر ہم مسلمانوں کو یہ کام کرنے سے کیا چیز مانع ہے۔ کمیونسٹوں کے مقابلہ میں تو ہم کہیں کم مدت میں اور نہایت بہتر عقلی اور علمی انداز میں یہ کام کر سکتے ہیں۔

مزید برآں علوم و فنون کی یہ تطہیر ایک مسلسل عمل ہے جو کبھی بھی ختم نہ ہو گا۔ اس لئے کہ

علم ایک ترقی پذیر قدر ہے۔ جوں جوں کائنات اور اس کے مختلف شعبے اپنے آپ کو انسانی عقل و فکر کے سامنے کھولتے جائیں گے علوم کی ترقی ہوتی رہے گی۔ اگر علوم و فنون کی اس پیہم ترقی اور ہر دم تغیر کے ہر مرحلہ میں ان کا از سرِ نو جائزہ نہ لیا گیا اور ان کی مرحلہ وار جانچ پڑتال نہ کی گئی تو جلد ہی ہماری تہذیبی اقدار اور معاشرتی علوم میں خلا اور تباین پیدا ہو جائے گا اور ایک زبردست فکری اختلال معاشرہ میں جنم لے گا۔ علوم و فنون کی اسی تطہیر و تنقیح مسلسل کی ضرورت کی طرف علامہ اقبال نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ ''ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم انسانی فکر کے ارتقاء پہ نہایت محتاط انداز میں نظر رکھیں اور اس کے بارہ میں ایک تنقیدی نقطۂ نظر کو بھی قائم رکھیں۔''

۳۔ تطہیرِ فکر کے بعد اسلامی تحقیق کا تیسرا سب سے بڑا کام تعمیرِ فکر کا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے تمام علوم و فنون کی ترتیب نو اور تشکیل جدید۔ اس میں جدید علوم کی تشکیل جدید بھی شامل ہے اور قدیم اسلامی علوم کی تعمیر نو بھی۔ قرآن و سنت کے غیر متغیر اور ناقابل تبدّل اصولوں کی روشنی میں علوم کو اس طرح مرتب کرنا کہ وہ عصر حاضر میں ہمارے لئے کار آمد ثابت ہو سکیں اور ایک ایسے نظامِ فکر و عمل اور تہذیب و تمدن کی تعمیر میں مدد دے سکیں جو عصر حاضر میں دنیا کے سامنے اللہ کے دین کی گواہی دے سکے لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ۔ تاکہ اللہ کی حجت دنیا والوں پر تمام ہو سکے اور کوئی شخص اللہ کے خلاف کوئی حجت پیش نہ کر سکے۔

علوم کی تشکیل جدید کے اس کام کو برصغیر میں سب سے پہلے شاید علامہ اقبال ہی نے محسوس کیا تھا۔ فلسفہ اور مابعد الطبیعیات کے میدان میں علامہ مرحوم کی تطہیری اور تعمیری مساعی اسلامی فکر کی تاریخ کا نمایاں باب ہیں۔ علامہ کے بعد یہ میدان تقریباً خالی ہی نظر آتا ہے۔ بعض افراد نے مختلف علوم میں کچھ قابلِ ذکر کام کیا لیکن یہ کام ایک دو اشخاص کے کرنے کا نہیں۔ اس کے لئے ایک ہمہ گیر اور بھرپور تحریک کی ضرورت ہے۔ ایک ہمہ گیر اور بھرپور مہم کے طور پر علوم کی تشکیل جدید کا یہ کام کامیابی کے ساتھ جبھی ہو سکتا ہے جب ہمارا تعلیمی نصب العین متعین ہو اور ہم پوری سنجیدگی کے ساتھ فی الواقع ایسے اربابِ فکر و دانش کی ایک جماعت پیدا کرنا چاہتے ہوں جو قرآن مجید کی روشنی میں سارے رائج الوقت علوم و معارف کا جائزہ لیں اور کھرا کھوٹا الگ کر دکھائیں۔ ابھی تک تو ہمارے ہاں کوئی ایسا مربوط نظامِ تعلیم بھی نہیں ابھر سکا جو سارے اسلامی،

عمرانی اور طبیعی علوم کا جامع ہو اور اس کے ہر ہر جزو میں خدا پرستی اور اسلامیت کی قرآنی روح جاری وساری ہو۔ ابھی تک جو ایک دو کوششیں ہوئی ہیں وہ غیر مربوط پیوندکاری کے مترادف ہیں۔

علوم کی تنقید وتنقیح کے اس عظیم الشان کام کے لئے اب تاریخ ہم کو مزید مہلت شاید نہ دے۔ اگر مستقبل قریب میں بھی ہم کچھ کر لینے میں کامیاب ہو گئے تو خیر ورنہ اسلامی اقدار اور اسلامی تہذیب کا احیاء ایک خواب وخیال ہو کر رہ جائے گا۔ بلکہ تغیر پیہم کی اس دنیا میں ہمارے لئے اپنا وجود باقی رکھنا بھی ممکن نہ رہے گا۔ علامہ اقبال نے آج سے پچاس سال قبل جو بات اسلامی اصول فقہ کے بارے میں کہی تھی وہ آج سارے علوم وفنون پر صادق آرہی ہے۔ اُس وقت اس کی جتنی اہمیت تھی آج اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ علامہ نے فرمایا تھا:

"میرا عقیدہ ہے کہ جو شخص زمانۂ حال کے جورس پروڈنس (اصول قانون) پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کرے گا وہی اسلام کا مجدد ہوگا اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی شخص ہوگا۔ قریباً تمام ممالک اسلامیہ میں مسلمان یا تو اپنی آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں یا قوانین اسلامیہ پر غور کر رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔غرض یہ وقت عملی کام کا ہے، کیونکہ میری رائے ناقص میں مذہب اسلام گویا زمانہ کی کسوٹی پر کسا جا رہا ہے اور شاید تاریخ اسلام میں ایسا وقت اس سے پہلے کبھی نہیں آیا۔"